Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.91, 2013 pp 17 - 32

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۴، اپریل۔جون ۲۰۱۳ء، شمارہ ۹۱

حضرت میاں میرؒ کے مزار کی تعمیر.....
داراشکوہ اور اورنگ زیب کی باہمی آویزش

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری☆

Abstract:

Islam spreaded in subcontinent in the result of the sincere and untiring efforts of Sufis and Mystics. Hazarat Mian Meer is one of the significant Sufis who served Islam in the region of Lahore. It was a period of anarchy. Aurangzeb Alamgir and Dara Shokuh, the two sons of Shah Jahan, were the main contenders of the Mughal Empire. Dara Shokuh was the disciple of Hazrat Mian Meer. In this article the construction of tomb of Hazrat Mian Meer, in relevance with the on going conspiracies, has been discussed.

Key Word: Subcontinent, Islam, Mysticism Hazrat Mian Meer, the construction of his tomb.

برصغیر کی تاریخ تصوف اپنے اندر علوم و معارف کے کئی جہاں آباد کیے ہوئے ہے۔ بلاشبہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے احوال و مقامات اس خطہ کی فکری، دینی اور تہذیبی تاریخ کا ایسا سنہرا باب ہیں، جس سے اس دور کے معاشرتی حالات، سیاسی رجحانات، ادبی تحریکات اور مذہبی افکار سمیت مختلف امور سے آگاہی میسر آتی ہے۔ ''تاریخ نویسی'' اور ''تاریخ نگاری'' کے حوالے سے جن کا جاننا از حد ضروری ہے۔ لفظ تاریخ (History) کا معنی ہے "علم اور سچائی کی تلاش"۔ "دریافت کرنے کے لیے تلاش کا عمل"۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی اپنی معروف تصنیف "تاریخ التاریخ" میں لکھتے ہیں کہ تاریخ کا موضوع ہے "انسان" اور "زمان"۔(۱)

☆ ڈائریکٹر جنرل، محکمہ مذہبی امور واوقاف پنجاب

تاریخ درحقیقت وہ فن ہے جس میں سارے زمانے کے واقعات سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ تاریخ گذشتہ حالات وواقعات کا ایسا مربوط اور مؤثر بیان یا ان کی وضاحت ہوتی ہے، جس کو صداقت اور دیانت کے مسلّمہ اصولوں کی روشنی میں جانچ اور پرکھ سے گزار کر تنقیدی زاویہ نگاہ سے لکھا جاتا ہے۔ تاریخ نویسی میں یہ امر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ اس میں گذشتہ حالات وواقعات کو ان کے معاشرتی، عمرانی اور فکری پس منظر میں دیکھنا ہوتا ہے۔ تاریخ کا میدان اتنا ہی وسیع ہے جتنا انسانی زندگی کا دائرہ۔ اس کا اگرچہ تمام تر تعلق ماضی کے واقعات سے ہے، تاہم انسانی زندگی سے بھرپور ربط کے سبب، ان احوال وواقعات سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ ماضی کو سامنے رکھ کر حال کے مسائل کا حل اور مستقبل کے بارے میں جامع لائحہ عمل اور مؤثر حکمت عملی مرتب کی جا سکتی ہے۔

تاریخ نویسی اور تاریخ نگاری میں مختلف حالات وواقعات کو تاریخی تناظر میں جانچنے کے ساتھ ساتھ ان کو اس طرح بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فکری اور معاشرتی ماحول میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کا ظہور الگ حیثیت سے نہیں، بلکہ فکری اور معاشرتی عمل ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ کسی فرد کے سوانحی حالات بھی اسی وقت تاریخ میں معتبر ہوتے ہیں جب وہ اپنے زمانے کے معاشرتی، سیاسی اور فکری تناظر کے ساتھ زیر بحث لائے جائیں اور صحیح نتائج کا حصول بھی اسی طرح ہی ممکن ہے۔

ہمارا زیر بحث موضوع بھی تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے ایسی ہی حیثیت کا حامل ہے۔ بادی النظر میں کسی بھی سلطنت کے کسی بڑے شاہی تعمیراتی منصوبے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ میٹریل کی فراہمی ترجیحات واہداف میں اہم مگر سادہ سی بات ہے، جس کے حصول کو کسی بھی جگہ سے ممکن بنایا جاتا ہے۔ تاہم بعض اوقات یہ معاشرتی، سیاسی اور فکری تناظر ہی، اس دور کے مختلف ردّیوں تک رسائی کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ بادشاہی مسجد اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے تعمیر ہوئی، جو اس کے عہد کے چند عظیم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ محققین اور مؤرخین نے اس کی تعمیر میں استعمال ہونے والا "سنگِ سرخ" جسے "سنگِ خارا" کا نام بھی دیا گیا ہے اور جو اپنی خوبصورتی اور دلآویزی کے سبب اپنے اندر ایک منفرد حسن وکشش رکھتا ہے، کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ اس پتھر کے یہاں استعمال کے کچھ ایسے عوامل بھی تاریخ نگاروں کی نظر میں ہیں جن تک عام قارئین کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ معتبر اور مسلمہ تاریخ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ بادشاہی مسجد میں استعمال ہونے والا یہ سنگ سرخ حضرت میاں میرؒ کے دربار کے تعمیراتی وتوسیعی منصوبہ جات کے لیے شہزادہ داراشکوہ نے لاہور میں اکٹھا کروایا تھا۔ اس کو موت نے آن لیا اور یوں اس کا یہ منصوبہ مکمل نہ ہوسکا۔

شہزادہ داراشکوہ جو کہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا، ۲۰ مارچ ۱۶۱۵ء کو ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوا، قصیدہ گوشعراء نے "گلِ اوّلین گلستانِ شاہی" سے موسوم کیا۔ ''رودِ کوثر'' کے مطابق:

> "داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ایک مدت تک شاہجہاں کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوتی رہیں۔ اسے اولادِ نرینہ کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی درگاہِ عالیہ پر حاضر ہوکر دُعا کی اور نذر ونیاز مانی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد داراشکوہ بمقام اجمیر پیدا ہوا۔"

داراشکوہ کی تعلیم وتربیت کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ اُس کے ایک استاد میرک شیخ جن کے بارے میں داراشکوہ "سکینۃ الاولیاء" میں لکھتا ہے کہ حضرت اخوند میرک شیخ علم ظاہر کے استاد اور عالم وفاضل ہیں۔ زُہد وپرہیز گاری اور حق گوئی میں ان کا قدم نہایت استوار ہے۔ میرک شیخ اس زمانے کے جید عالم اور داراشکوہ کے ادبیات فارسی وعربی، تفسیر اور علوم متداولہ کے حوالے سے خصوصی استاد تھے۔ یہ بات بھی خصوصی توجہ کی حامل ہے کہ میرک شیخ کے علم اور زُہد کے سبب اوائل عمر میں ہی داراشکوہ انہیں اپنا روحانی مربّی سمجھنے لگا تھا۔ یوں داراشکوہ، بالواسطہ طور پر حضرت میاں میرؒ سے فیض یاب ہونے لگا، جس کا اثر ساری زندگی اس پر رہا۔ داراشکوہ کو اپنے والد بزرگوار شاہجہان، جن کو حضرت میاں میرؒ کے ساتھ بہت عقیدت تھی، کے ہمراہ حضرت میاں میرؒ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے بھی مواقع میسر آئے۔ داراشکوہ کو آپؒ کی بارگاہ میں پہلی مرتبہ ۷ اپریل ۱۶۳۴ء، دوسری مرتبہ اس کے دو دن بعد اور پھر کشمیر سے واپسی پر دسمبر ۱۶۳۴ء میں حاضری میسر آئی۔ گویا حضرت میاں میرؒ کی دربار میں حاضری کے وقت داراشکوہ کی عمر تقریباً اُنیس سال تھی۔ ۱۶۳۵ء میں جب شاہجہاں لاہور میں قیام پذیر تھا تو داراشکوہ کو حضرت میاں میرؒ کی صحبت فیض اثر اکثر میسر آتی، جس سے وہ روحانی زندگی کی طرف مائل ہوا۔ انہیں کی صحبت میں حضرت ملا شاہ بدخشیؒ سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔

داراشکوہ لکھتا ہے کہ اپنے والد گرامی شاہجہاں کے ساتھ، حضرت کے حجرہ عالیہ میں حاضر ہوا تو آپؒ نے بادشاہ سے فرمایا:

"عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبر گیری کرنی اور تمام ہمت اپنی ولایت کی آبادی و سرسبزی میں صرف کرنی چاہیے کیونکہ اگر رعیت آسودہ اور ملک آباد ہے تو سپاہ آسودہ اور خزانہ پُر رہے گا"۔

ازاں بعد بادشاہ سے میری علالت کی کیفیت سن کر مجھے پانی دم کر کے دیا، جس سے ایک ہفتہ میں مجھے صحت کامل ہوگئی۔

صاحب رودِ کوثر کے یہ الفاظ زیادہ جامع محسوس ہوتے ہیں:

"اس کی روحانی نشوونما کی بسم اللہ شاید اُس دن ہوئی جب ۲۵ فروری ۱۶۳۴ء کو شاہجہاں اسے لے کر حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے التجا کی کہ وہ اس کی صحت کے لیے دعا کریں، اس وقت دارا کی عمر انیس سال کی تھی اور اگرچہ اس کے عقائد اور تاثرات کا اس وقت کوئی ذکر نہیں ملتا، لیکن قرین قیاس ہے کہ صحت پا جانے پر جسے وہ حضرتؒ کی کرامات پر محمول کرتا ہے، اس کی عقیدت اہل اللہ سے ضرور بڑھ گئی ہوگی۔ اس کے دس مہینے بعد جب دسمبر ۱۶۳۴ء کو شاہجہاں حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو داراشکوہ اس کے ہمراہ تھا اور اس وقت دارا کی عقیدت مندی کی یہ حالت تھی کہ وہ حضرتؒ کے مکان کی دوسری منزل میں جہاں حضرت کا قیام تھا، برہنہ پا گیا اور جو لونگ وہ چبا چبا کر پھینکتے جاتے تھے انہیں اٹھا کر کھاتا رہا۔ اس کے بعد جب بادشاہ چلا گیا تو داراشکوہ تنہا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ بھی دیر تک اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے اور اس کے حق میں دعا کی۔"

اس کے اگلے سال حضرت میاں میرؒ کی تو وفات ہوگئی لیکن جو چنگاری دارا کے دل میں جاگی تھی، وہ برابر سلگتی رہی۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد انہوں نے غائبانہ طور پر مجھے مشاہدہ اور مراقبہ سکھایا اور ان کی وجہ سے مجھے لیلۃ القدر کی زیارت ہوئی۔

داراشکوہ حضرت میاں میرؒ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس سال یعنی ۱۶۳۵ء میں حضرتؒ کا وصال ہوگیا اور اس کی مراد بر نہ آسکی۔ چنانچہ پانچ سال بعد، حضرت میاں میرؒ کے مرید، خلیفہ اور قادری سلسلے کے شیخ حضرت ملا شاہ بدخشیؒ کے ہاتھ پر ۱۶۴۰ء میں بیعت ہوا۔(۲) حضرت میاں میرؒ کے وصال کے وقت داراشکوہ کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ حضرتؒ کے وصال کے وقت اکبرآباد (آگرہ) میں تھا۔ پچھلی شب خواب دیکھا کہ حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوں اور حضرت بعض نصیحتیں کر کے فرماتے ہیں کہ "تو ہماری نماز جنازہ ادا کر"۔ اس خواب سے طبیعت سخت مضطرب اور اداس ہوگئی، اپنے محبوب شیخ اور مُربّی کا یوں دنیا سے اُٹھ جانا کسی بڑے سانحے سے کم نہ تھا۔ رنج والم کی کیفیت طاری تھی کہ چند ہی روز میں لاہور سے یہ المناک خبر سنی کہ عین اسی دن اور اسی وقت، جب داراشکوہ، خواب میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، حضرت میاں میرؒ دنیا سے وصال فرما گئے۔(۳)

"تحقیقات چشتی" کے مطابق حضرت میاں میرؒ کی خانقاہ سے متصل ایک موضع ہاشم پورہ آباد تھا، جس میں ڈھوڈی راجپوت برادری کی اکثریت آباد تھی، جو کہ شاہی دربار تک رسائی اور کثیر دولت وثروت کے حامل تھے۔ داراشکوہ نے ذاتی دلچسپی اور بڑی محنت سے یہ تمام زمین، جہاں اب چار دیواری ہے، ان لوگوں سے انتہائی قیمتی نرخوں پر صرف اس لیے حاصل کی کہ بعدازاں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ داراشکوہ نے بزورِ حکومت یہ زمین حاصل کر کے خانقاہ میں شامل کردی۔ مزار شریف اور خانقاہ کی تعمیر عالیشان انداز میں کر کے، داراشکوہ نے حضرت میاں میرؒ کے خواہرزادے محمد شریف کے سپرد کردی۔ اس میں کوئی شک نہیں حضرت میاں میرؒ کے مقبرہ ومتعلقہ عالیشان عمارات جو کہ سنگِ سرخ و سنگ مرمر سے مزین ہیں، داراشکوہ ہی کی تعمیر کردہ ہیں۔ اگرچہ ان تعمیرات میں بعدازاں اورنگ زیب نے بھی اپنا حصہ ڈالا اور اپنے عہد میں سابقہ زیرِ تکمیل منصوبے کو عملی شکل دی۔ تاہم تاریخ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ جملہ عمارات کی بنیاد داراشکوہ ہی نے رکھی۔ بالخصوص جب مقبرہ وغیرہ کی چاردیواری قدآدم ہوگئی تو داراشکوہ جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ اس حادثے کے سبب تعمیرات کا سلسلہ رُکا رہا۔ بالخصوص اس کا منصوبہ جس کے لیے اس نے بہت اسباب عمارت اور پتھر وغیرہ اکٹھا کروایا تھا وہ یہ تھا کہ "شاہی قلعہ سے حضرت میاں میرؒ کے دربار تک "سنگِ سرخ کی ایک سڑک تعمیر

کروائے جس پر "پابرہنہ" چل کر روزانہ حضرت کے مقبرہ پر حاضری کی سعادت حاصل کر سکے۔اس عظیم منصوبے کے لیے جو بیش قیمت اور بعد ادکثیر تعمیراتی میٹریل اکٹھا کیا گیا تھا اورنگ زیب نے اس کو یہاں سے اٹھوا دیا اور قلعہ کے مغربی جانب عظیم الشان بادشاہی مسجد تعمیر کروائی۔(۴)

تاریخ نگار اورنگ زیب اور داراشکوہ کے اختلافات کو،اورنگ زیب اور شاہجہان کے درمیان جاری کشمکش سے کہیں زیادہ گہرا قرار دیتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہجہان اپنے تاج وتخت کے حوالے سے داراشکوہ کو واضح ترجیح دیتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ یہ معاملہ بغیر کسی خانہ جنگی کے طے پا جائے۔تاج وتخت کا حصول اور اس کا علی الاعلان دعویٰ دونوں بھائیوں کے اختلاف کی بنیاد تھا۔بایں وجہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور جان کے دشمن تھے۔علاوہ ازیں اُن کا اختلاف فقط ذاتی مقاصد وخواہشات کی حد تک بھی محدود نہ تھا بلکہ ان کے درمیان ان کے مزاج ،اطوار،عقائد اور رجحانات کے اعتبار سے بھی بُعد المشرقین تھا۔داراشکوہ اور اورنگ زیب دونوں مذہبی آدمی تھے لیکن ان کے مذہبی رجحانات میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔داراشکوہ وسیع المشرب جب کہ اورنگ زیب متشرع بلکہ بنیاد پرست علماء کا پیرو تھا۔

بلاشبہ برصغیر کی متصوفانہ تاریخ میں یہ عہد قادری سلسلے کے عروج اور شخصی طور پر حضرت میاں میرؒ کی روحانی سطوت کا دور تھا۔حضرت میاں میرؒ اور ان کے خلفاء کی عنایات کے سبب،داراشکوہ کو قادری سلسلے کے بزرگوں،خانقاہوں اور متعلقین کی خصوصی اعانت میسر تھی اور وہ مستقبل میں داراشکوہ کی حکومت اور اقتدار کے لیے دعا گو رہتے جن میں ملاّ شاہ بدخشی قادریؒ، شیخ محبّ اللہ بہاریؒ اور سرمدؒ جیسی ہستیاں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔سلطنت کے حالات داراشکوہ کے موافق نہ رہے،اور ۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب تخت شاہی پر متمکن ہوا۔سرمد قتل ہوگیا جب کہ دارا کے پیرومرشد ملاّ شاہ بدخشیؒ نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔بایں وجہ داراشکوہ کے جاری تعمیراتی منصوبوں کا متاثر ہونا بھی ایک فطری عمل تھا جن میں حضرت میاں میرؒ کے مزار کی تعمیر بطور خاص قابل ذکر ہے۔

کنہیا لال ہندی نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ داراشکوہ کی موت کی وجہ سے خانقاہ کی تعمیر میں تعطل آ گیا تو درگاہ سے منسلک خاندان اور احباب ومتوسلین اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر

عرضگذار ہوئے اور تعمیراتی تاخیر اور تعطل کی بابت شکوہ پیش کیا، جس کے سبب یہ تعمیر دوبارہ شروع ہوئی تاہم یہ مقبرہ اور خانقاہ جس انداز میں داراشکوہ چاہتا تھا وہ نہ بن سکا۔(۵)

مؤرخ لاہور، میاں محمد دین کلیم قادری، حضرت میاں میرؒ کے حوالے سے اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ حضرت میاں میرؒ کے مقبرہ، خانقاہ عالیہ، چار دیواری اور مسجد وغیرہ شہزادہ داراشکوہ نے تعمیر کروائی، مقبرے کا چبوترہ 26x26 قدم ہے، جو مکمل طور پر سنگِ مرمر سے تعمیر شدہ ہے۔ شمال اور جنوب کی طرف سیڑھیاں سنگ مرمر کی ہیں اور چبوترے کے درمیان مقبرہ کی عمارت ہے جس کا ایک زینہ سنگِ مرمر کا اور چوکھٹ سنگِ سرخ کی ہے۔ اندرون مقبرہ کا تمام فرش سنگ مرمر کا ہے جس میں سنگِ موسیٰ اور سنگِ سیاہ کی گل کاری ہے۔ اس مقبرہ کے تین اطراف محرابیں قالبوتی اور اندروانی عمارت میں قدِ آدم سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ گنبد کی چھت شیشہ کے کام سے منقش ہے۔ آپ کے مزار کے احاطہ کی غربی دیوار کے درمیان تعمیر شدہ مسجد بھی داراشکوہ کی تعمیر کردہ ہے۔ میاں محمد دین کلیم مزید لکھتے ہیں کہ شہزادہ داراشکوہ نے حضرت میاں میرؒ اور حضرت مُلّا شاہ بدخشی جو شہزادے کے پیرومرشد تھے، کی خانقاہیں اور مقابر لاہور میں تعمیر کرائے تھے اور اس کی یہ خواہش تھی کہ شاہی قلعہ لاہور سے ایک سڑک آپؒ کے مزار اقدس تک بنوائی جائے اور خود پیادہ پا حضور کے مزار پُر انوار پر حاضری دینے کی سعادت حاصل کر سکے۔ اس غرض سے اس نے " کثیر التعداد قیمتی پتھر از قسم سنگِ مرمر اور سنگِ سرخ" باہر سے منگوائے۔ لیکن افسوس کہ زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے، اس کی یہ نیک آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ گئیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے تینوں حقیقی بھائیوں (شہزادہ داراشکوہ، شہزادہ مراد اور شہزادہ شجاع) کو قتل کر کے اور والد شاہجہان کو قید کر کے ہندوستان کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے سڑک کی تعمیر کو فضول قرار دیتے ہوئے شاہی قلعہ لاہور کے بالمقابل ایک نہایت عظیم الشان مسجد بنانے کا حکم صادر فرمایا اور اس طرح وہ تمام پتھر اور سامان عمارت جو سڑک کی تعمیر پر خرچ ہونا تھا۔ اس سے دنیا کی ایک بڑی اور عظیم الشان جامع مسجد تعمیر ہو گئی۔(۶)

سید محمد لطیف (شمس العلما، خان بہادر، جج) اپنی شہرہ آفاق تصنیف " تاریخ لاہور " میں "بادشاہی مسجد" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں کہ:

> "اس مسجد کا پتھر دراصل داراشکوہ نے اپنے روحانی پیشوا حضرت میاں میرؒ کی قبر پر مقبرہ تعمیر کرنے کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے منصوبہ کو عملی

جامہ پہناتا، اس کے چالاک بھائی اورنگ زیب نے تخت وتاج سنبھالتے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور سارے پتھر اور ساز وسامان کو قبضہ میں لے کر اپنے نام سے تعمیر ہونے والی مسجد کی تعمیر میں استعمال کرلیا"۔(۷)

کنہیالال ہندی اپنی معروف تصنیف "تاریخ لاہور" میں "بادشاہی مسجد" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے کہ:

"باعث تعمیر اس مسجد عالی شان کا یہ ہوا کہ بہ وقت سلطنت شاہ جہاں بادشاہ کے جب پنجاب کی حکومت داراشکوہ کو تفویض ہوئی تو اس نے عمارتیں بہت (تعمیر) کیں۔ پہلے چوک بنوایا، پھر عالی شان عمارت اپنے دادا مرشد میاں میر بالا پیرؒ کے روضے کی تعمیر کی۔ پھر مُلّا شاہ قادریؒ اپنے مرشد کا روضہ بنوایا جس کے احاطے میں اب موضع میاں میر ایک گاؤں آباد ہے۔اس عمارت کے اختتام پر پتھر بہت بڑھ رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ چوک داراشاہ سے میاں میر کے مقبرے تک ایک سڑک سنگِ سرخ کی ایسی مصفّا و پاکیزہ بنوائے کہ روز سلام کے واسطے پا برہنہ وہاں جایا اور آیا کرے اور اس سڑک پر سوائے شہزادے کے اور کوئی آمدورفت نہ کرے۔ یہ ارادہ ابھی پورا ہونے نہیں پایا تھا کہ عالم گیر اورنگ زیب نے باپ پر غالب آکر اس کو قید کرلیا اور داراشکوہ، اپنے بھائی، کو قتل کرادیا اور حکم دیا کہ موجود پتھر کی ایک جامع مسجد بنائی جائے ۔اور فدائی خاں کو کہ (کو) مسجد کی تعمیر کا مہتمم مقرر کیا۔ اس نے بہ کمالِ جاں فشانی اس مسجد کو بنوایا"۔(۸)

بعض تذکرہ نگار جیسے ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی (۹) اور نقوش "لاہور نمبر" نے مذکورہ معتبر اور مسلمہ مؤرخین کی آراء کے برعکس نقطہ نظر بھی اختیار کیا ہے۔اس سلسلے میں نقوش کے مضمون نگار نے زیادہ تفصیل میں جانے کی سعی کی ہے۔انہوں نے "حضرت میاں میرؒ" کے عنوان کے تحت، اس ضمن میں لکھا ہے کہ "سنگ سرخ کی وجہ سے حضرت میاں میرؒ کے روضہ اور بادشاہی مسجد کا تعلق بتایا جاتا ہے، عام روایت یہی ہے اور اسی کو مصنف "تاریخ لاہور"، "تحقیقات چشتی"، "ہسٹری آف لاہور" نے بھی لکھا ہے کہ داراشکوہ نے اپنے پیشوا حضرت میاں میرؒ کے مزار کی تعمیر کے لیے جو سنگ

سرخ جمع کیا تھا، جب عالمگیر نے داراشکوہ کا خاتمہ کر دیا تو اس نے یہ پتھر یہاں سے اُٹھوا کر شاہی مسجد کی عمارت میں صرف کر دیا۔ لیکن یہ روایت اس لیے غلط ہے کہ حضرت میاں میرؒ کا انتقال ۱۶۳۵ء میں ہوا تھا۔ داراشکوہ کا قتل ۱۶۵۹ء کے اواخر میں ہوتا ہے۔ کیا ۲۴۔۲۵ سال کے عرصہ میں وہ ان کا مزار تعمیر نہ کرا سکتا تھا اور پتھر اس نے یونہی رکھ چھوڑا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت میاں میرؒ کا مزار داراشکوہ کی زندگی ہی میں اس کے اہتمام سے تیار ہو چکا تھا، جیسا کہ لاہور کے نامور محقق مولانا علم الدین سالک ایم اے لکھتے ہیں کہ اس عمارت کی وضع بالکل شاہ جہانی عمارات سے ملتی ہے، وہی نقش ونگار، وہی رنگ آمیزیاں۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ مزار حضرت میاں میرؒ کا تمام پتھر بادشاہی مسجد کی عمارت میں صرف کیا گیا، حقیقت سے دور ہے۔" (۱۰)

"نقوش لاہور" کے فاضل مقالہ نگار یہ اعتراف سو فیصد درست ہے کہ حضرت میاں میرؒ کا مزار داراشکوہ کی زندگی میں اُسی کے اہتمام سے تیار ہو چکا تھا۔ دیگر معتبر مؤرخین اور مسلمہ تاریخ نگار بھی اس پر متفق ہیں، اس میں ہرگز دو آراء نہیں ہیں۔ تاہم خانقاہ کی جو عمارتیں داراشکوہ کے قتل کے سبب بچ رہیں، ان میں سے بعض کی تکمیل اورنگ زیب کے ہاتھوں بھی عمل میں آئی۔ دراصل یہ پتھر "سنگ سرخ" جس کے بارے میں لکھا جا رہا ہے کہ وہ بادشاہی مسجد کی تعمیر کے لیے وہاں سے اُٹھوا کر شاہی قلعہ کے غرب میں لایا گیا۔ داراشکوہ اس پتھر سے، قلعہ سے لے کر حضرت کے مزار تک ایک ایسی کشادہ اور خوبصورت سڑک تعمیر کروانا چاہتا تھا جس پر وہ روزانہ پیادہ پا مزار پُرانوار پر حاضری دینے کی سعادت حاصل کر سکے۔ اس عظیم منصوبے کے لیے کثیر التعداد "سنگ سرخ اور سنگ مرمر" باہر سے منگوایا۔

اب یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خانقاہ کی بنیادی ضرورت کے حوالے سے ایک خاص سطح تک کی جو تعمیرات تھیں، داراشکوہ ان کا اہتمام کر چکا تھا۔ تاہم وہ حضرت میاں میرؒ سے، جس نوعیت کی منفرد عقیدت وارادت رکھتا تھا اس کے اظہار کے لیے جو توسیعی منصوبے اُس کے ذہن میں تھے، ان میں سے ایک منصوبہ "شاہی قلعہ سے مزار شریف تک "سڑک کی تعمیر کا بھی تھا۔ یہ سڑک کم از کم بھی ہوتی تو 8 کلومیٹر لمبی ہوتی اور یقیناً اس کی تعمیر شاہی انداز واعزاز کے ساتھ ہوتی۔ نیز یہ کہ لاہور کے نقشہ پر اس کے کیا دوررَس اثرات مرتّب ہوتے اور داراشکوہ کو اس سے کیسی جاودانی میسر آتی، اس کا اندازہ لگانا زیادہ دشوار نہ ہے۔

نیز یہاں یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حضرت میاں میرؒ کے وصال کے وقت داراشکوہ کی عمر تقریباً 20 سال تھی۔ ملّا شاہ بدخشیؒ کے ہاتھ پر اس نے تقریباً 25 سال کی عمر میں بیعت کی۔ داراشکوہ کو مارچ ۱۶۴۷ء میں پنجاب کی صوبیداری میسر آئی لیکن اس دورانئے میں زیادہ تر وہ شاہی دربار کے ساتھ ہی وابستہ رہا۔ تاہم پنجاب کی اس صوبیداری کے سبب اسے لاہور پر زیادہ توجہ مرکوز کرنے اور روحانی اشغال کو فروغ دینے کا موقع دستیاب رہا، جس کی بنیادی وجہ حضرت میاں میرؒ کے ساتھ اس کی عقیدت وارادت تھی۔ لاہور کے اس قیام کے وقت اس کی عمر تقریباً بتیس سال ہوگئی۔ یقیناً عمر کا یہ حصہ شعوری اور ذہنی بلوغت کے اعتبار سے بھی اہم تھا۔ انہی سالوں میں حضرت میاں میرؒ کے مزار کی مناسبت سے خانقاہ کی دیگر عمارتوں کی تعمیر کے علاوہ اس نے اپنی شہرہ آفاق تصانیف "سفینۃ الاولیاء" اور "سکینۃ الاولیاء" تحریر کی، جس کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ اوّل زمانہ اس کے بعد کا ہے۔ یہ دونوں کتابیں بھی بالخصوص برصغیر کی متصوفانہ تاریخ میں منفرد نوعیت کی حامل ہیں اور ان کو مستند ماخذ کا درجہ دیا جاتا ہے۔ حضرت میاں میرؒ کے حالات جمع کرنا اور ان کو آنے والے دور کے لیے تاریخی اور تحقیقی دستاویز کے طور پر بہم پہنچانا بھی کوئی کم کارنامہ نہ ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر داراشکوہ کی یہ تصانیف نہ ہوتیں تو شاید حضرت میاں میرؒ کے احوال سے آگاہی کے سلسلے میں محققین تشنہ رہتے۔ ۱۶۵۷ء میں شاہجہاں بیمار ہو کر صاحب فراش ہوا تو ناامیدی کی حالت میں اس نے قابل اعتماد درباریوں اور اعلیٰ احکام کو بُلا کر وصیّت کی کہ آئندہ کا بادشاہ داراشکوہ ہوگا، اس کی اطاعت کی جائے۔ شاہ جہاں کی بیماری اور تخت نشینی کی معرکہ آرائیوں کے حوالے سے داراشکوہ کی زندگی کے آخری سال خونی جنگوں، درماندگی اور صحرانوردی کی نذر بھی ہوئے، جس کا شہزادگی کے ایام میں اندازہ لگانا شاید اُس کے لیے مشکل ہوگا۔ ایک عظیم الشان سلطنت کا ولی عہد ہونے کے سبب یقیناً آنے والے دور کے لیے اس نے اپنے ذہن میں اور بھی کئی منصوبے رکھ چھوڑے ہوں گے۔ تاہم قضاوقدر کے فیصلے اپنے ہوتے ہیں۔ اورنگ زیب، شجاع اور داراشکوہ کے درمیان تخت نشینی کا آخری معرکہ ۱۵/اپریل ۱۶۵۸ء کو آگرہ سے آٹھ میل سے دور ساموگڑھ میں ہوا جس میں نہ صرف داراشکوہ کو شکست ہوئی بلکہ اس کا چندروزہ تخت وتاج بھی چھن گیا اور ہندوستان کی بادشاہت کا فیصلہ اورنگ زیب کے حق میں ہوگیا۔ یوں داراشکوہ کو برصغیر کی شاہی نصیب نہ ہوسکی اور وہ ۱۶۵۹ء میں صرف 44 سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوگیا (۱۱)۔

اس انتہائی مختصر عرصہ میں اپنی روحانی وابستگی کے حوالے سے، اس نے جو کچھ کیا وہ منفرد اور معتبر تھا۔ تعمیری اور تصنیفی حوالے سے اپنی عقیدت وارادت کے جو مظاہر داراشکوہ نے قائم کیے اُس کی نظیر کا ملنا قدرے مشکل ہے۔ ''نقوش'' کے فاضل مقالہ نگار نے حضرت میاں میرؒ کے وصال اور داراشکوہ کی وفات کے درمیان کے کم وبیش 25 سال کے عرصہ کو جس تاثر کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، مذکورہ تفصیلات جاننے کے بعد اس میں زیادہ وزن نظر نہیں آتا۔

اگر چہ یہ بات بھی بڑی بھلی لگتی ہے کہ جو بادشاہ اتنی خطیر رقم خرچ کر کے اس قدر عظیم الشان مسجد تعمیر کروا رہا ہے، (۱۲) اُس سے اس طرح کی حرکت کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر جس ماحول میں داراشکوہ کو زندگی کی بھیک نہ مل سکی، اس کے دونوں بیٹوں (سلمان شکوہ، سپہر شکوہ) کا وجود برداشت نہ کیا جا سکا، (۱۳) وہاں کسی ایسے منصوبے کی تکمیل کس طرح ممکن ہو سکتی ہے جو اُس کے لیے نیک نامی کا باعث بن سکے۔

بعض تذکرہ نگار اس واقعہ کا اس بنیاد پر بھی انکار کرتے ہیں کہ کسی دوسرے منصوبے سے تعمیراتی سامان اُٹھوا کر اس طرح کی ناانصافی کا ارتکاب اورنگ زیب جیسے بادشاہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ یہ بات عام حالات میں تو وزنی ہو سکتی ہے تاہم اگر کسی واضح تاریخی حوالے کے برعکس محض اورنگ زیب عالمگیر کے ذاتی اوصاف ہی کی بنیاد پر اس معاملہ کا جائزہ مقصود ہے تو یہ پہلو بھی اپنے اندر کچھ تلخیاں رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر اپنی قابلیت، کردار کی پختگی، اعلیٰ انتظامی صلاحیت اور دوراندیشی کے سبب ممتاز مقام کا حامل تھا۔ عالموں اور بزرگوں کا قدر دان اور اسلامی قوانین کی ترویج اور احیاء کا زبردست حامی تھا۔ صاحب سطوت و جبروت ہونے کے باوصف انتہائی سادہ زندگی بسر کرتا اور بیت المال کے پیسے کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تمام شخصی اوصاف مسلّمہ ہیں۔ تاہم بعض انسانی اور سیاسی کمزوریاں جو کسی بھی بڑے انسان میں ہو سکتی ہیں وہ اس میں بھی تھیں۔ بالخصوص تخت وتاج پر تسلّط اور پھر اس کے استحکام کے سلسلے میں اورنگ زیب عالمگیر کے اقدامات اور اسی تناظر میں داراشکوہ اور اس کے پیر ومرشد ملاّ شاہ بدخشانی قادریؒ، جو حضرت میاں میرؒ کے خلیفہ خاص تھے اور سرمد کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ بھی تاریخ کا حصّہ ہے۔ (اس سلسلے میں معتبر کتب تاریخ کا مطالعہ مناسب ہوگا۔) تاریخی محققین اور تجزیہ نگاروں کا سوال بہت سادہ سا ہے۔۔۔۔ کہ باپ کو قید اور سگے بھائیوں کو قتل کر کے سریر آرائے سلطنت ہونے والا سلطان جو کہ سرکاری طور پر "

ظِلّ ا للّٰہ" تھا، تاہم اس کا اقتدار کسی "اسلامی شورائیت" کا نہیں، تخت نشینی کی جنگ کا واضح نتیجہ تھا ۔اس کے ایسے اقدامات کو دیانت و بددیانتی کے ذاتی اوصاف سے ماپنا تاریخی اور تحقیقی روش نہیں ہے، البتہ یہ ایک طرح کی شخصی رائے ہوسکتی ہے، ویسے بھی تاریخ عقیدہ نہیں، تجزیہ ہوتی ہے۔

جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ تاریخ نویسی اور تاریخ نگاری بادی اُلنظر میں ایک آسان چیز ہے، تاہم سلاطین کے طرز فکر، اور ان کے مذہبی احوال و رجحانات اور دیگر اسباب وعِلّل کی روشنی میں مختلف واقعات کا جائزہ ان مراحل کو مشکل بنا دیتا ہے ۔زیر بحث موضوع کا تعلق اگرچہ رسمی یا درباری کارروائی اور شاہی احکام سے ہے، تاہم معتبر مورخین نے ان فیصلوں کو سلاطین کے فکری رجحانات اور " سلاسل طریقت " کے ساتھ وابستگی کے تناظر میں بھی دیکھا ہے۔ یہ صفحات اس نازک بحث کے متحمل نہیں ہو سکتے، محض دو اقتباس پیش کر کے اس گفتگو کو سمیٹا جاتا ہے ۔عصر حاضر کے معروف محقق شیخ محمد اکرام اپنی معروف تصنیف "رودِکوثر" میں لکھتے ہیں:

> "لاہور کے قرب میں ایک ایسا شیخ سلوک کی منزلیں طے کر رہا تھا، جس کے اثر سے پھر ایک بار قادریہ سلسلہ چمک اٹھا، یہ بزرگ شیخ میاں میرؒ تھے جنھوں نے قادریہ سلسلے کے ہندوستانی مرکز اُچ سے نہیں بلکہ اس طریقے کی ایک اور شاخ سے فیض حاصل کیا اور جن کو نہ صرف عوام الناس میں بلکہ علمی اور درباری حلقوں میں اس قدر مقبولیت ہوئی کہ ان کے سامنے دوسروں کے چراغ مدھم پڑ گئے ۔آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے ہمعصر تھے لیکن عہد شاہجہانی کی عام ملکی تاریخیں دیکھیں تو حضرت میاں میرؒ کے متعلق طویل اندراجات ملیں گے ۔خواجہ محمد معصوم کی نسبت کہیں ایک آدھ سطر بلکہ اس زمانے کی بعض مشہور تاریخیں (مثلاً عمل صالح ۔بادشاہ نامہ ۔منتخب اللباب) تو خواجہ صاحبؒ کے ذکر سے یکسر عاری ہیں اور اس کی وجہ یہی خیال میں آتی ہے کہ خاص حلقوں سے قطع نظر جو رنگ عہد شاہجہانی میں مقبول تھا، وہ قادری تھا، نقشبندی نہ تھا اور اس زمانے کے سب سے با اثر شیخ حضرت میاں میرؒ ہی تھے"۔(۱۴)

" برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" کا مصنف قاضی جاوید لکھتا ہے:

"شاہجہان کے زمانے میں مسلم اشرافیہ، داراشکوہ کی صورت میں روشن خیالی کے فروغ کے پرانے خطرے کے از سرنو اور زیادہ شدید صورت میں پیدا ہونے سے خوفزدہ تھی۔ چنانچہ حکمران طبقے کو اس امر کا مکمل احساس تھا کہ داراشکوہ کی کامیابی سے راسخ الاعتقادی کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا اور اس کے نمائندوں کی نصف صدی کی جدوجہد ملیا میٹ ہو جائے گی۔اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عقیدہ پرست امراء نے اپنی تمام امیدیں اورنگ زیب عالمگیر سے وابستہ کر دی تھیں، جو اپنے مذہبی فکری، سیاسی اور سماجی رجحانات کی بنا پر ان کے آدرشوں کی تکمیل کے لیے بہترین طور پر معاون ثابت ہوسکتا تھا، وہ ابتداء ہی سے شیخ احمد سرہندیؒ کے خیالات کے زیر اثر تھا، جن کے اہل خانہ سے اس کے خوش گوار تعلقات تھے۔ وہ شیخؒ کے صاحبزادے اور جانشین خواجہ محمد معصومؒ سے گہری عقیدت رکھتا تھا، دونوں کے مابین باقاعدہ خط وکتابت تھی اور خواجہ محمد معصومؒ، اورنگ زیب عالمگیر کے لیے شہزادہ دین پناہ کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر سرہند سے گزرتے ہوئے خواجہ محمد معصومؒ اور ان کے خاندان کے دیگر بزرگوں سے ملنا ضروری تصور کرتا تھا۔ یہ تمام حقائق ہندوستان میں احیائے دین کی تحریک کے سب سے پُر جوش نمائندے کی سیاسی وابستگی ظاہر کرتے تھے۔علاوہ ازیں شاہجہاں کے عہد حکومت میں اورنگ زیب عالمگیر نے صوبے دار کی حیثیت سے جس حکمت عملی کو اپنایا تھا، اس سے بھی قدامت پسند امراء میں اس کی مقبولیت بڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاہجہان کے بیٹوں میں تخت نشینی کی جنگ شروع ہوئی تو اکثر عقیدہ پرست امراء نے اورنگ زیب عالمگیر کا ساتھ دیا۔ داراشکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر کے درمیان کشمکش صرف تخت کے دو ممکنہ وارثوں کے درمیاں کشمکش نہ تھی، فی الاصل یہ ترکیبی اور تحلیلی کائناتی نقطہ نظر، فلسفہ وحدت الوجود اور فلسفہ وحدت الشہود، روشن خیالی اور راسخ الاعتقادی نیز صوفی اور عالم کے درمیان جنگ تھی۔"

وہ مزید لکھتا ہے:

" جب اورنگ زیب عالمگیر کو داراشکوہ کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی تھی، تو گویا سرمد کے مقدر کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ سبھی کو معلوم تھا کہ وہ شکست خوردہ شہزادے کا ہم خیال دوست تھا اور یہ کہ اس نے شہزادے کی فتح کی پیشین گوئی بھی کی تھی۔ اس بناء پر اورنگ زیب عالمگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد سرمد کا قصہ پاک کرنے کا تہیہ کر لیا۔ حسب معمول اس سیاسی فیصلے کو مذہبی جواز فراہم کرنا ضروری سمجھا گیا۔"(۱۵)

ماحصل:(Conclusion)

i۔ لاہو کو عظیم الشان تعمیرات سے مزین ہونا تھا۔۔۔۔ ہو گیا۔۔۔۔ اس کا مرکزی نقطہ موضع میاں میر ہو یا قلعہ کی غربی سمت، یہ بہر حال مستحسن اور نیک فال ہے۔ اس کی تعمیر کے لیے "سنگ سرخ" جسے سنگ خارا بھی لکھا گیا ہے، آگرہ کے قرب وجوار، فتح پور سیکری یا بیانہ۔۔۔۔ جہاں سے بھی آیا، یہ کوئی ایسی بحث طلب بات نہیں ہے، کہ ایسے اعلیٰ سطحی منصوبوں کے لیے اعلیٰ ترین میٹریل کے حصول کو ممکن بنایا ہی جاتا ہے۔ تاہم اگر یہ میٹیریل داراشکوہ کی طرف سے حضرت میاں میرؒ کے دربار کے تعمیری اور توسیعی منصوبوں کے لیے جمع شدہ سامان سے حاصل کیا گیا تو اس کے اعتراف میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے۔

ii۔ بادشاہی مسجد کی تعمیر کے لیے اورنگ زیب کا ایک خطیر رقم مختص کرنا کوئی ایسا خلاف معمول نہ ہے۔ مغل بادشاہ تعمیرات کے شوقین تھے، بالخصوص ایسی عمارات جو اُن کی مذہبی وابستگی کا مظہر ہوں، کا شمار مشکل ہے۔ کسی درویش یا بزرگ کے مزار پر حاضری دے کر لاکھوں روپے کے چڑھاوے چڑھانے سے متعلق بھی تاریخ ہند بھری پڑی ہے۔ مساجد یا مقابر کی تعمیر تو معمول کی بات ہے۔ حد تو یہ ہے شہنشاہ اکبر جو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا بڑا معتقد تھا، اُنہی کی نسبت سے اپنے بیٹے کا نام "سلیم" رکھا اور انہی کی محبت میں اُن کے مزار پر

ایک شاندار شہر بسایا۔ چنانچہ ۱۵۷۱ء میں " فتح پور سیکری " کی شاندار تعمیرات سے یہ معمولی گاؤں شہنشاہِ ہند کا پایۂ تخت بن گیا۔

iii۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں حضرت میاں میرؒ کے مزار پر تعمیراتی سلسلے کی تکمیل، کسی بھی حکومت کی سیاسی اور مذہبی ضرورت ہو سکتی ہے ۔جس بارگاہ میں جہانگیر اور شاہجہان ازخود حاضری کو سعادت سمجھتے رہے اور داراشکوہ جس خانقاہ کی جاروب کشی کو سعادت خیال کرتا رہا، اورنگ زیب کے لیے اس جگہ کو نظر انداز کرنا آسان نہ تھا۔ تاہم اگر داراشکوہ کے منصوبوں کی تکمیل ہوتی تو یہ اس کی عقیدت وارادت کی پرشکوہ یادگار کے ساتھ ساتھ لاہور کے نقشہ پر بھی ایسے دور رس اثرات مرتب کرتا جو اس کے لیے جاودانی کا باعث بنتے ۔۔۔۔۔لیکن ایسا نہ ہوا۔ تعمیراتی منصوبے ویسے بھی سنین وشہور کا کام ہوتے ہیں، بنیاد کوئی رکھتا ہے اور " نقاب کشائی " کسی اور کے حصے میں آتی ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ شمس الدین محمد عبدالرحمٰن السخاوی، "تاریخ التاریخ" موسوم بہ اعلان بالتوبیخ لمن ذم لاھل التوریخ، ترجمہ سیّد محمد یوسف (لاہور: مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۸ء)۔ص ۲۷

۲۔ پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، احوال وآثار داراشکوہ (دیباچہ سکینۃ الاولیاء) لاہور پیکجیز لمٹیڈ۔۱۹۷۱ء

۳۔ داراشکوہ، "سکینۃ الاولیاء" ترجمہ مقبول بیگ بدخشانی، لاہور پیکجز لمیٹید، ۱۹۷۱ء)۔ص ۱۲۱

۴۔ نوراحمد چشتی "تحقیقات چشتی" (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۲۰۰۱ء)، ص ۸۵۲

۵۔ کنہیالال ہندی "تاریخ لاہور" مرتبہ کلب علی خاں فائق (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۹۶ء)، ص ۲۶۹

۶۔ محمد دین کلیم قادری مؤرخ لاہور "تذکرہ حضرت میاں میرؒ" (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء)۔ص ۲۲۲۔۱۲۳

۷۔ سید محمد لطیف، "تاریخ لاہور" (لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۴ء)۔ص ۱۸۳

۸۔ کنہیالال ہندی "تاریخ لاہور" مرتبہ کلب علی خاں فائق (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۹۶ء) ص ۱۷۷

۹۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی "بادشاہی مسجد" (لاہور: کتاب خانہ نورس، کیبر سٹریٹ ۱۹۷۲ء)۔ص ۷

۱۰۔ محمد طفیل "نقوش، لاہور نمبر" (لاہور: ادارہ فروغ اردو، فروری ۱۹۶۲ء)۔ص ۲۷۷

۱۱۔ محمد صالح کنبوہ "شاہجہان نامہ (عمل صالح)" ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۴ء)۔ص ۷۷۴

۱۲۔ سبحان رائے بٹالوی "خلاصۃ التواریخ" ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۶ء)۔ص ۱۰۶

۱۳۔ نوراحمد چشتی "تحقیقات چشتی" (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۰۶

۱۴۔ شیخ محمد اکرم، "رودِ کوثر" (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۷ء)۔ص ۵۲۵۔۴۲۶

۱۵۔ قاضی جاوید، "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" (لاہور: نگارشات، بیگم روڈ، ۱۹۸۶ء)، ص ۱۷۰۔۱۸۲